اسلوب دعوت

قرآن اور سیرت کی روشنی میں

داعی الی اللہ' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن کے مقدمے میں لکھا ہے کہ قرآن پاک ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ "اسے تو آپ پوری طرح اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں"۔ سیرت رسولؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کن کن مراحل اور منازل سے گزرے اور ان مواقع پر قرآن نے کیا رہنمائی دی۔ قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لیے نہ صرف دعوت کے ان مراحل کا علم ہونا چاہیے' جن سے اللہ کے رسولؐ گزرے بلکہ اسوہ رسولؐ کے اتباع میں دعوت کا کام زندگی کا مشن ہونا چاہیے۔ یہاں ہم سیرت سرور عالمؐ سے وہ ہدایات پیش کر رہے ہیں جو دعوت دین کے لیے رسولؐ اللہ کو دی گئیں اور آج بھی دعوت کا کام کرنے والے ہر گروہ اور فرد کی ضرورت ہیں۔ (مدیر)

اللہ تعالیٰ نے عرب کے مشہور مرکزی شہر مکہ میں اپنے ایک بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلے (قریش) سے دعوت کی ابتدا کریں۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی' صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ تر تین مضمونوں پر مشتمل تھیں:

ایک' پیغمبرؐ کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرز پر کام کریں۔

دوسرے' حقیقتِ نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں ان غلط فہمیوں کی مجمل تردید جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں' جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔

تیسرے' صحیح رویے کی طرف دعوت اور ہدایت الٰہی کے ان بنیادی اصول اخلاق کا بیان جن کی

پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔

شروع شروع کے یہ پیغامات ابتدائے دعوت کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے' جن کی زبان نہایت شستہ' نہایت شیریں اور نہایت پراثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی تھی' تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و نشتر کی طرح پیوست ہو جائیں' کان خود بخود ان کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور زبانیں ان کے حسن تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انھیں دہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا--- اگرچہ بیان تو کی جارہی تھیں' عالم گیر صداقتیں' مگر ان کے دلائل و شواہد اور مثالیں اس قریب ترین ماحول سے لی گئی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انھی کی تاریخ' انھی کی روایات' انھی کے روز مرہ مشاہدے میں آنے والے آثار اور انھی کی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہا (جن میں پہلے تین سال خفیہ دعوت کے تھے)۔ اس مرحلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ردعمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا:

۱- چند صالح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے امت مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔

۲- ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی کی بنا پر یا باپ دادا کے دین کی محبت کے باعث مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔

۳- مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقے میں پہنچنے لگی۔

یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جاں گسل کش مکش برپا ہوئی جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔ نہ صرف مکہ میں' نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے' وہ اس تحریک کو بزور مٹا دینے پر تل گئے۔ انھوں نے اسے دبانے کے لیے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ جھوٹا پروپیگنڈا کیا' الزامات اور شبہات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی' عوام الناس کے دلوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کیں' ناواقف لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے روکنے کی کوششیں کیں' اسلام قبول کرنے والوں پر نہایت وحشیانہ ظلم و ستم ڈھائے' ان کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا اور ان کو اتنا تنگ کیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ دو دفعہ اپنے گھر چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے اور بالآخر تیسری مرتبہ ان سب کو مدینے کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن اس شدید اور روز افزوں مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھیلتی چلی گئی۔ مکہ میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ بیشتر مخالفین اسلام کی دشمنی میں شدت اور تلخی کی وجہ یہی تھی

کہ ان کے اپنے بھائی' بھتیجے' بیٹے' داماد' بیٹیاں' بہنیں اور بہنوئی دعوت اسلام کے نہ صرف پیرو بلکہ جاں نثار حامی ہو گئے تھے اور ان کے اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ہی ان سے برسرپیکار ہونے کو تیار تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جو لوگ پرانی جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوخیز تحریک کی طرف آ رہے تھے' وہ پہلے بھی اپنے معاشرے کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے' اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے راست باز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر رہ نہیں سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انھیں یہ کچھ بنا رہی تھی۔

اس طویل اور شدید کش مکش کے دوران میں اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبیؐ پر ایسے پرجوش خطبے نازل کرتا رہا' جن میں دریا کی سی روانی' سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے' ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا' انھیں تقویٰ اور فضیلت اخلاق اور پاکیزگیِ سیرت کی تعلیم دی گئی' ان کو دین حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے' کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی' انھیں صبر و ثبات اور بلند حوصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا زبردست جوش اور ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دوسری طرف مخالفین اور راہ راست سے منہ موڑنے والوں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو ان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے۔ ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا۔ توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں جو رات دن' زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے۔ شرک اور دعوے خود مختاری اور انکار آخرت اور تقلید آبائی کی غلطیاں' ایسے بین دلائل سے واضح کی گئیں جو دل کو لگنے اور دماغ میں اتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شبہ کو رفع کیا گیا' ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا' ایک ایک الجھن میں جس میں وہ خود پڑے ہوئے تھے یا دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے تھے' صاف کی گئی اور ہر طرف سے گھیر کر جاہلیت کو ایسا تنگ پکڑا گیا کہ عقل و خرد کی دنیا میں اس کے لیے ٹھہرنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ اس کے ساتھ پھر ان کو خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا' ان کے برے اخلاق اور غلط طرز زندگی اور جاہلانہ رسوم اور حق دشمنی اور مومن آزاری پر انھیں ملامت کی گئی' اور اخلاق و تمدن کے وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ سے خدا کی

پسندیدہ صالح تہذیبوں کی تعمیر ہوتی چلی آ رہی ہے۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی' مختلف عقائد اور مختلف طرز عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا' اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔

دعوت حق کے لیے اصولی ہدایات

دعوت اسلامی کے اس کار عظیم کو انجام دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مفصل ہدایات دی گئیں' ان پر غور کرنے سے آدمی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مکہ کے شدید مخالفانہ دور میں کس عظیم اخلاقی طاقت نے اسلامی تبلیغ کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کیا اور کس موثر ترین تعلیم نے اس تبلیغ سے متاثر ہونے والوں کو خدا کی راہ میں ہر قوت سے ٹکرا جانے اور ہر مصیبت جھیل جانے پر آمادہ کر دیا۔ ذیل میں ہم ان ہدایات میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں:

۱- دعوت میں حکمت کا لحاظ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل ۱۶: ۱۲۵)

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ"۔

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت' استعداد اور حالات کو سمجھ کر' نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے' پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے' پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے' اسے بھی ابھارا جائے' اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو' مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

بحث و گفتگو کی نوعیت مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریف مقابل کو چپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو' اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو' معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں زیادہ دور نہ نکل جائے۔

۲- ٹھنڈا اور سنجیدہ اسلوب

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۵۳-۵۴)

"اور اے محمدؐ" میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تمھارے حال سے زیادہ واقف ہے' وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو تمھیں عذاب دے دے۔ اور اے نبیؐ' ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے"۔

یعنی اہل ایمان' کفار اور مشرکین سے اور اپنے دین کے مخالفین سے' گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی اور مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں۔ مخالفین خواہ کیسی ہی ناگوار باتیں کریں' مسلمانوں کو بہرحال نہ تو کوئی بات خلاف حق زبان سے نکالنی چاہیے اور نہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر بیہودگی کا جواب بیہودگی سے دینا چاہیے۔ انھیں ٹھنڈے دل سے وہی بات کہنی چاہیے جو جچی تلی ہو' برحق ہو اور ان کی دعوت کے وقار کے مطابق ہو۔

اور جب کبھی تمھیں مخالفین کی بات کا جواب دیتے وقت غصے کی آگ اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو اور طبیعت بے اختیار جوش میں نظر آئے تو فوراً یہ سمجھ لو کہ یہ شیطان ہے جو تمھیں اکسا رہا ہے تاکہ دعوت دین کا کام خراب ہو۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی اپنے مخالفین کی طرح اصلاح کا کام چھوڑ کر اسی جھگڑے اور فساد میں لگ جاؤ جس میں وہ نوع انسانی کو مشغول رکھنا چاہتا ہے۔

اور اہل ایمان کی زبان پر کبھی ایسے دعوے بھی نہ آنے چاہییں کہ ہم جنتی ہیں اور فلاں شخص یا گروہ دوزخی ہے۔ اس کا فیصلہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ خود نبی کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ لوگوں کی قسمتیں

اس کے ہاتھ میں نہیں دے دی گئی ہیں کہ وہ کسی کے حق میں رحمت کا اور کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ صادر کر دے۔

۳- داعی کی ذمہ داری

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ (الانعام ۶: ۱۰۴)

"دیکھو تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں"۔

"میں تم پر پاسبان نہیں ہوں" یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ اس روشنی کو تمہارے سامنے پیش کر دوں جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جنھوں نے خود آنکھیں بند کر رکھی ہیں، ان کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انھیں دکھا کر ہی چھوڑوں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (الانعام ۶: ۱۰۶-۱۰۷)

"اے نبیؐ اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ یہ لوگ شرک نہ کریں) تو یہ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو"۔

مطلب یہ ہے کہ تمھیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمھیں ان کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دو اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ تمہاری ذمہ داری و جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمہارے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا کیا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے، انھیں کیسے دکھایا جائے۔

اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟

مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمایش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس تمھارے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمھیں دکھادی گئی ہے' اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں انھیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو' خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو' جس انجام بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں' اس کی طرف جانے کے لیے انھیں چھوڑ دو۔

۴- تبلیغ کا آسان طریقہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ (الاعلٰی ۸۷: ۸-۹)

"اور اے نبیؐ' ہم تم کو آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں' پس نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو"۔

یعنی اے نبیؐ' ہم تبلیغ دین کے معاملے میں تم کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے کہ تم بہروں کو سناؤ اور اندھوں کو راہ دکھاؤ بلکہ آسان طریقہ تمھارے لیے میسر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نصیحت کرو جہاں تمھیں یہ محسوس ہو کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے اور کون نہیں ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا پتا تبلیغ عام ہی سے چل سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھنی چاہیے مگر اس سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے بندوں میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس سے فائدہ اٹھا کر راہ راست اختیار کرلیں۔ یہی لوگ تمھاری نگاہ التفات کے مستحق ہیں اور انھی کی تعلیم و تربیت پر تمھیں توجہ صرف کرنی چاہیے۔ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے پڑنے کی تمھیں کوئی ضرورت نہیں ہے جن کے متعلق تجربے سے تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول نہیں کرنا چاہتے۔

۵- اہمیت کے حامل لوگ

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۵۲)

"اور اے نبیؐ' جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں' انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں اور تمھارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔ پھر بھی تم انھیں دور پھینکو گے تو ظالم ہو گے"۔

جو لوگ ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے' ان میں بکثرت ایسے بھی تھے جو

غریب یا محنت پیشہ تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر من جملہ دوسرے اعتراضات کے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپؐ کے گردوپیش ہماری قوم کے غلام' موالی اور ادنیٰ طبقے کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو ساتھی بھی کیسے کیسے "معزز" لوگ ملے ہیں' بلالؓ' عمارؓ' صہیبؓ' خبابؓ۔ بس یہی لوگ اللہ کو ہمارے درمیان ایسے ملے ہیں جن کو برگزیدہ کہا جا سکتا تھا! پھر وہ ایمان لانے والوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان میں سے جس کسی سے کبھی کوئی اخلاقی کمزوری ایمان لانے سے پہلے ظاہر ہوئی تھی' اس پر حرف گیریاں کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس نے یہ کیا تھا' آج وہ بھی اس "برگزیدہ گروہ" میں شامل ہے۔ چنانچہ اسی سورہ انعام کی آیت ۵۳ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے؟" انھی باتوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق بن کر تمھارے پاس آتے ہیں' انھیں ان بڑے بڑے لوگوں کی خاطر اپنے سے دور نہ پھینکو۔ اسلام لانے سے پہلے کوئی کسی غلطی کا مرتکب ہوا بھی تھا تو اس کی ذمہ داری تم پر تو عائد نہیں ہوتی۔

حضرت ابن مکتومؓ کا واقعہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ مکرمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورؐ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتوم نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ عبس نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ (عبس ۸۰: ۱-۲)

"ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا"۔

بظاہر کلام کے آغاز کا انداز بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے لیکن پوری سورت عبس پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے' اور حضورؐ کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی خامی سمجھائی گئی ہے جو ابتدائے رسالتؐ کے کام کی ابتدا میں آپؐ اختیار فرما رہے تھے۔ آپؐ کا ایک نابینا سے بے رخی برتنا اور سرداران قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپؐ بڑے لوگوں کو معزز اور ایک بیچارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے' اور معاذ اللہ یہ کوئی کج خلقی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھی جس

پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی' بلکہ معاملے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرنے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم کے بااثر لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں تا کہ کام آسان ہو جائے' ورنہ عام بے اثر' معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔

قریب قریب یہی طرز عمل دعوت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرک سراسر اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے' بلکہ اس دعوت کے نقطہ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالب حق ہو' چاہے وہ کیسا ہی کمزور' بے اثر' یا معذور ہو' اور ہر وہ شخص غیر اہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے' خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپؐ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں' مگر آپؐ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبول حق کی آمادگی پائی جاتی ہو' اور آپؐ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپؐ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو آپؐ کی نہیں بلکہ آپؐ کو ان کی ضرورت ہے۔

یہی وہ اصل نکتہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے معاملے میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا اور اسی کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ابن ام مکتومؓ کے ساتھ آپؐ کے طرز عمل پر گرفت فرمائی پھر آپؐ کو بتایا کہ داعی حق کی نگاہ میں حقیقی اہمیت کس چیز کی ہونی چاہیے اور کس کی نہ ہونی چاہیے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی ظاہری حالت صاف بتا رہی ہے کہ وہ طالب حق ہے' اس بات سے ڈر رہا ہے کہ کہیں وہ باطل کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ راہ راست کا علم حاصل کرنے کی خاطر خود چل کر آتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کا رویہ صریحاً یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں حق کی کوئی طلب نہیں پائی جاتی' بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ اسے راہ راست بتائی جائے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کے درمیان دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ کون ایمان لے آئے تو دین کے لیے بہت مفید ہو سکتا ہے اور کس کا ایمان لانا دین کے فروغ میں کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتا' بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ کون ہدایت کو قبول کر کے سدھرنے کے لیے تیار ہے اور کون اس متاع گراں مایہ کا سرے سے قدر دان ہی نہیں ہے۔

پہلی قسم کا آدمی خواہ اندھا ہو' لنگڑا ہو' لولا ہو' فقیرِ بے نوا ہو' بظاہر دین کے فروغ میں کوئی بڑی خدمت انجام دینے کے قابل نظر نہ آتا ہو' بہرحال داعیِ حق کے لیے وہی قیمتی آدمی ہے' اسی کی طرف اسے توجہ کرنی چاہیے' کیونکہ اس دعوت کا اصل مقصد بندگان خدا کی اصلاح ہے' اور اس شخص کا حال یہ بتا رہا ہے کہ

اسے نصیحت کی جائے گی تو وہ اصلاح قبول کر لے گا۔ رہا دوسری قسم کا آدمی تو خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بااثر ہو' اس کے پیچھے پڑنے کی داعی حق کو کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی روش علانیہ یہ بتا رہی ہے کہ وہ سدھرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس کی اصلاح کی کوشش میں وقت صرف کرنا' وقت کا ضیاع ہے۔ وہ اگر نہ سدھرنا چاہے تو نہ سدھرے' نقصان اس کا اپنا ہو گا' داعی حق پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

۶- تبلیغ کی حکمت

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۲۹:۴۶)۔

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے"۔

یعنی مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ' مہذب و شائستہ زبان میں' اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو' اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے' بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔ یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے کے معاملے میں دی گئی ہے' مگر یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے' بلکہ تبلیغ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے' مثلاً:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶:۱۲۵)۔

"دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۳۴)

"بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہیں' (مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی' وہ ایسا ہو گیا جیسے گرم جوش دوست ہے"۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ (المومنون ۲۳:۹۶)۔

"تم بدی کو اچھے ہی طریقے سے دفع کرو۔ ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ (تمہارے خلاف) بناتے ہیں"۔

(جاری)